بشکریہ: سنیل جاناح

اس باب میں ...

آزاد ہندوستان کے ابتدائی سال چیلنج اور مشکلات سے پُر تھے۔ان میں سے کچھ مشکل ترین اور فوری توجہ کے محتاج مسائل کا تعلق قومی یک جہتی اور ہندوستان کی علاقائی سالمیت سے تھا۔ہم آزادی کے بعد کی ہندوستانی سیاست کی کہانی میں قومی تعمیر کے ان چیلنجوں میں سے تین پر نظر ڈال کر شروع کریں گے اور دیکھیں گے کہ 1947 کے بعد کی پہلی دہائی میں کس طرح ان کا کامیابی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا۔

- آزادی ملک کی تقسیم کے ساتھ آئی، جس کے نتیجے میں بڑے پیمانے پر تشدد اور خانماں بربادی ہوئی اور سیکولر ہندوستان کے تصور ہی کو للکارا گیا۔
- راجاؤں اور نوابوں کی ریاستوں کے ہندوستانی یونین میں انضمام کے فوری حل کی ضرورت تھی۔
- ملک کی اندرونی سرحدوں کو از سر نو متعین کرنے کی ضرورت تھی تاکہ مختلف زبانیں بولنے والے لوگوں کی آرزوؤں کو پورا کیا جا سکے۔

اگلے دو ابواب میں ہم دوسرے قسم کے چیلنجوں پر توجہ مبذول کریں گے جو اس ابتدائی مرحلے میں ملک کو درپیش تھے۔

1947 میں ہندوؤں اور مسلمانوں نے کولکاتا میں فرقہ وارانہ تشدد کے خاتمہ کا اعلان ہند و پاک کے جھنڈے ایک ساتھ لہرا کر اور ٹرکوں پر سوار ہو کر شہر میں گشت لگا کر کیا۔
اس نایاب فوٹوگراف میں آزادی حاصل ہونے کی خوشی اور ہندوستان اور پاکستان کی تقسیم کے المیہ کو پیش کیا گیا ہے۔

© NCERT not to be republished

باب 1

5281CH01

قومی تعمیر کے چیلنج

نئی قوم کے لیے چیلنج

14 اور 15 اگست 1947 کی درمیانی شب میں ہندوستان کو آزادی حاصل ہوئی۔ اس رات آزاد ہندوستان کے پہلے وزیراعظم جواہر لعل نہرو نے دستور ساز اسمبلی کے ایک خاص اجلاس سے خطاب کیا۔ یہ مشہور ''مقدر سے ملاقات'' والی تقریر تھی جس سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔

ہندوستانی اسی لمحہ کا انتظار کر رہے تھے۔ آپ نے اپنی تاریخ کی درسی کتابوں میں پڑھا ہوگا کہ ہماری قومی تحریک میں کئی نقطۂ نظر کارفرما تھے۔ لیکن دو مقاصد پر سب متفق تھے، پہلا تو یہ کہ آزادی کے بعد اپنی حکومت کو جمہوری طرز پر چلائیں گے، دوسرے یہ کہ حکومت سب کے بھلے کے لیے کام کرے گی، خاص طور پر غریبوں اور سماجی اعتبار سے پچھڑے ہوئے لوگوں کے لیے۔ اب جب کہ ہندوستان آزاد ہو گیا تھا، وعدوں کے نبھانے کا وقت آ گیا تھا۔

لیکن یہ اتنا آسان نہیں تھا۔ ہندوستان نے بہت مشکل حالات میں جنم لیا تھا۔ شاید ہی کسی اور ملک کا اتنے مشکل حالات میں ظہور ہوا ہوگا جتنا کہ 1947 میں ہندوستان کا ہوا۔ آزادی کے ساتھ ملک بھی تقسیم ہوا۔ خانماں بربادی کی اذیت اور تشدد کے لحاظ سے 1947 سے پہلے کوئی سال ایسا نہیں گزرا تھا۔ یہ حالات تھے جب آزاد ہندوستان نے کئی مقاصد کے حصول کے لیے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ آزادی کے ساتھ آنے والے بحران کے باوجود ہمارے رہنماؤں کی نظروں نے ان چیلنجوں کو فراموش نہیں کیا جو ایک نئی قوم کو پیش آ رہے تھے۔

بشکریہ: پی آئی بی

15 اگست 1947 کو وزیراعظم جواہر لعل نہرو لال قلعہ سے تقریر کرتے ہوئے۔

© NCERT not to be republished

The Hindustan Times

LARGEST CIRCULATION IN NORTHERN, NORTH-WESTERN AND CENTRAL INDIA

Regd. No. L. 1732.

VOL. XXIV. NO. 198 — NEW DELHI: SATURDAY, JULY 19, 1947. — PRICE TWO ANNAS.

END OF 200-YEAR-OLD BRITISH RULE IN INDIA

ROYAL ASSENT TO INDEPENDENCE BILL

BRIEF BUT COLOURFUL CEREMONY IN LORDS

Two Dominions Created

LONDON, July 18.—Precisely at 10-10 a.m. G.M.T. today (4-10 p.m. I.S.T.) the great new Dominions of India and Pakistan were born and the 400,000,000 people of India came into their inheritance of full political freedom, when in the House of Lords, a Royal Commission of Peers with ceremony and ritual dating back to William the Conqueror's time, announced the Royal Assent to the Indian Independence Bill.

The ceremony which transferred Britain's 200-year-old responsibility for India to the people of that country took barely 15 minutes. The Royal Commission, indeed, within the brief space of time, passed 18 Bills of which the Indian Independence Bill, sandwitched between a penicillin measure and the National Service Act authorizing peace-time compulsion came ...

KING GEORGE VI

ATTLEE

Provisional Govt. For Burma

ANNOUNCEMENT LIKELY NEXT WEEK

FREE INDIA FLAG

Return Of Bollaert To Viet-Nam Welcomed

MESSAGE FROM PREMIER

CONSTITUENT ASSEMBLY

UNION'S RELATIONSHIP WITH RULERS

PROVISION FOR PROVINCES' JURISDICTION IN STATES

(By Our Special Representative)

NEW DELHI, Friday.—An important clause providing for a province exercising jurisdiction in the legislative, executive or judicial sphere in the territory of an Indian State under an agreement approved by the Federal Government was adopted by the Constituent Assembly today on the recommendation of a representative sub-committee.

The sub-committee consists of Sir B. L. Mitter (Chairman), Sir Alladi Krishnaswami Ayyar, Mr Ismail Chundrigar, Sir A. Ramaswami Mudaliar, Dr B. R. Ambedkar and Mr K. M. Munshi.

Sir Shafaat Ahmed Khan Dead

SIMLA, July 18.—The death occurred in Simla today of Sir Shafaat Ahmed Khan, ...

ہندوستان ٹائمز، 19 جولائی 1947

تین چیلنج

موٹے طور پر آزاد ہندوستان کو تین طرح کے چیلنجوں کا سامنا تھا۔ سب سے پہلا چیلنج تو ایک ایسی قوم کی تشکیل تھی جو متحد بھی ہو اور سماج کے تنوع اور رنگا رنگی کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہو۔ ہندوستان اپنے رقبہ اور تنوع کے اعتبار سے ایک برِّ اعظم جیسا تھا۔ اس کے عوام کئی زبانیں بولتے تھے اور الگ الگ مذہب اور ثقافت کو اختیار کیے ہوئے تھے۔ اس وقت عام طور سے یہی خیال کیا جاتا تھا کہ اتنے اختلافات رکھنے والا ملک زیادہ عرصے تک متحد نہیں رہ سکتا۔ ملک کی تقسیم نے بظاہر بدترین اندیشوں کو صحیح ثابت کر دیا تھا اور ہندوستان کے مستقبل کے بارے میں کئی سنجیدہ سوال اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ کیا ہندوستان ایک متحد ملک کی صورت میں قائم رہ سکے گا؟ اور کیا قومی اتحاد کی خاطر وہ دیگر مقاصد کو پس پشت ڈال دے گا؟ کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ بقیہ تمام علاقائی اور ذیلی قومی شناختوں کو نظر انداز کر دیا جائے گا؟ لیکن ایک بہت ہی فوری سوال بھی سامنے تھا اور وہ یہ کہ ہندوستان کی زمین یا ملک کی آراضی کو کس طرح یک جہت کر کے ایک اکائی بنایا جائے۔

> کل ہم برطانوی تسلط کی غلامی سے آزاد ہوں گے۔ لیکن نصف شب کو ہندوستان تقسیم بھی ہو جائے گا۔ کل ایک خوشی کا دن بھی ہوگا اور ماتم کا بھی
>
> **مہاتما گاندھی**
>
> 14 اگست 1947، کولکاتا

دوسرا چیلنج جمہوریت کا قیام تھا۔ آپ پہلے ہی ہندوستانی دستور کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ دستور نے بنیادی حقوق دیے اور ہر شہری کو ووٹ دینے کا حق دیا۔ ہندوستان نے پارلیمانی طرزِ حکومت

© NCERT not to be republished

پر مبنی نمائندہ جمہوریت کو اختیار کیا ہے۔ ان خصوصیات کی بنیاد پر یہ بات طے ہوگئی کہ سیاسی مسابقت اور داؤ پیچ ایک جمہوری ڈھانچے میں ہی محدود رہیں گے۔ جمہوریت کو قائم کرنے کے لیے ایک جمہوری دستور لازمی ہے لیکن کافی نہیں ہے۔ چیلنج یہ تھا کہ جمہوری روایات کو دستور کے مطابق فروغ دیا جائے۔

میرے دل میں ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ ایک ٹائم مشین مل جائے تو میں تھوڑا پیچھے لوٹوں اور 15 اگست، 1947 کے جشن میں شرکت کروں۔ لیکن یہاں تو معاملہ کچھ الگ ہی نظر آ رہا ہے۔

تیسرا چیلنج پورے سماج کی ترقی اور فلاح کی یقین دہانی تھا جو چند حصوں یا طبقوں کے لیے مخصوص نہ ہو۔ اس مقام پر بھی دستور نے سماجی لحاظ سے پچھڑے ہوئے لوگوں اور مختلف مذاہب اور تمدنی برادریوں کے لیے مساوات اور خصوصی تحفظ کے اصول پیش کیے۔ اس کے علاوہ دستور نے ریاست کی پالیسی کے رہنما اصول بھی مرتب کیے جو ایک سیاسی جمہوریت میں حاصل ہونے کے لیے ضروری ہیں۔ اب اصل چیلنج یہ تھا کہ اقتصادی ترقی اور غربت کے خاتمے کے لیے مؤثر پالیسیاں بنائی جائیں۔

اس باب میں زیادہ تر توجہ پہلے چیلنج کو دی جائے گی یعنی قومی تعمیر جس نے آزادی کے بعد کے عرصے میں مرکزی مقام لے رکھا تھا۔ ہم آزادی کے حوالے سے رونما ہونے والے کچھ واقعات پر نظر ڈالنے سے ابتدا کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ آزادی کے وقت قومی اتحاد اور سلامتی کا مسئلہ سرفہرست کیسے آ گیا۔ اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ ہندوستان نے خود کو ایک قوم کی صورت میں کیسے ڈھالا جو ایک مشترک تاریخ اور مقدر کے حوالہ سے متحد تھی۔ اس اتحاد اور یک جہتی کا اظہار مختلف علاقوں میں بسنے والے لوگوں کی امنگوں میں ہونا چاہیے تھا اور اس اتحاد کو ان اختلافات اور تنوع سے بھی نمٹنا تھا جو الگ الگ علاقوں اور طبقات میں موجود تھے۔ اگلے دو باب میں ہم جمہوریت کے قیام، اقتصادی ترقی، مساوات اور انصاف کے حصول پر بحث کریں گے۔

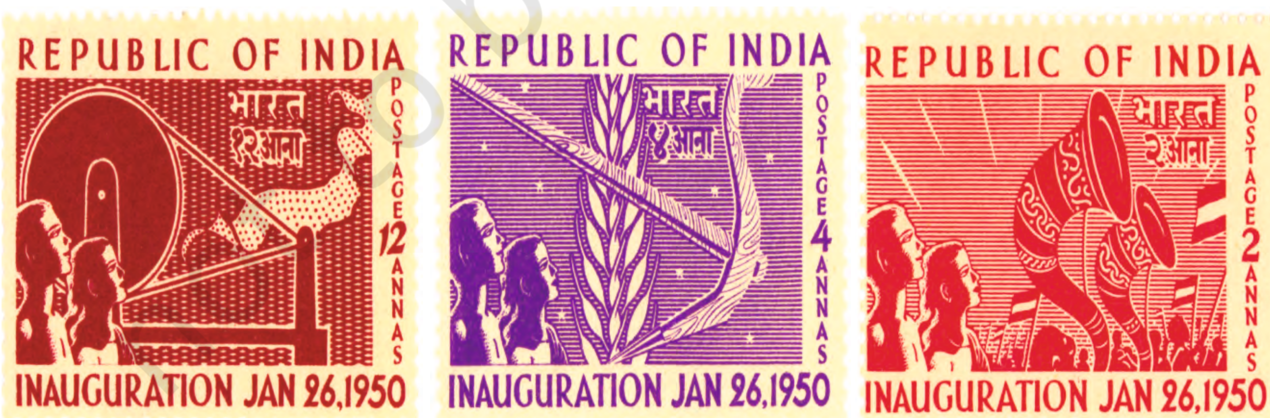

اوپر دیے گئے تینوں ڈاک ٹکٹ 26 جنوری 1950 کو پہلے یومِ جمہوریہ کے جشن پر جاری کیے گئے تھے۔ ان پر بنی ہوئی تصویریں نئے ملک کے چیلنج کے بارے میں آپ سے کیا کہہ رہی ہیں؟ اگر 1950 میں آپ سے ان ڈاک ٹکٹوں کو ڈیزائن کرنے کے لیے کہا گیا ہوتا تو آپ کس تصویر کا انتخاب کرتے؟

FUTURE CORRESPONDENCE ABOUT
MAARIF-UL-QURAN
please be made at the following address:—
Publisher, MAARIF-UL-QURAN,
C/o Mr. PARVEZ
HOME DEPARTMENT
GOVERNMENT OF PAKISTAN
KARACHI

Dawn
Founded By QAED-E-AZAM MOHAMMAD ALI JINNAH
Edited by ALTAF HUSAIN
DELHI: THURSDAY, AUGUST 14, 1947.

WHILE IN KARACHI
VISIT
MANCHESTER HOUSE
TAILORS
The Authority on Style & Clothes
(Sherwani Specialists)
Phone: 7331
ELPHINSTONE STREET
KARACHI

QAED-E-AZAM'S TRIBUTE TO BRITISH PEOPLE
Absolute Transfer Of Power Unknown In World History
PAKISTAN TO MAINTAIN FRIENDSHIP WITH BRITAIN AND HINDUSTAN
JINNAH'S SP... DINNER TO LORD & ...TTEN

ڈان، کراچی، 14 اگست 1947

فیض احمد فیضؔ (1911-1984) سیال کوٹ میں پیدا ہوئے اور تقسیم کے بعد پاکستان میں رہے۔ ان کا سیاسی رجحان بائیں بازو کی طرف تھا۔ انھوں نے پاکستانی حکومت کی مخالفت کی اور جیل میں ڈال دیئے گئے۔ ان کے شعری مجموعوں میں نقش فریادی، دستِ صبا اور زندان نامہ شامل ہیں۔ فیض کا شمار بیسویں صدی کے جنوبی ایشیا کے عظیم شاعروں میں ہوتا ہے۔

صبحِ آزادی

فیض احمد فیضؔ

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شبِ سُست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینۂ غمِ دل

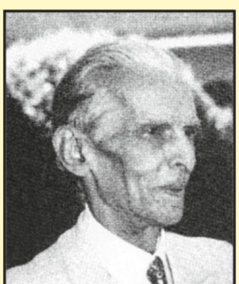

ہم کو اسی جذبہ کے ساتھ کام کرنا چاہیے۔ وقت کے ساتھ ساتھ یہ اکثریت اور اقلیت یعنی ہندو فرقہ اور مسلم فرقہ کے آپس کے اندیشے ختم ہو جائیں گے کیوں کہ مسلمان ہوتے ہوئے بھی آپ پٹھان، پنجابی، شیعہ اور سنی میں بٹے ہوئے ہیں۔ اسی طرح ہندوؤں میں برہمن، ویش، کھتری بلکہ بنگالی اور مدراسی کی تقسیم ہے۔ آپ مملکت پاکستان میں اپنے مندروں، مسجدوں اور عبادت گاہوں میں جانے کے لیے آزاد ہیں۔ ریاست کے معاملات کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ آپ کس مذہب، ذات اور فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

محمد علی جناح کراچی میں پاکستان کی دستور ساز مجلس سے صدارتی خطاب کرتے ہوئے، 11 اگست 1947

© NCERT not to be republished

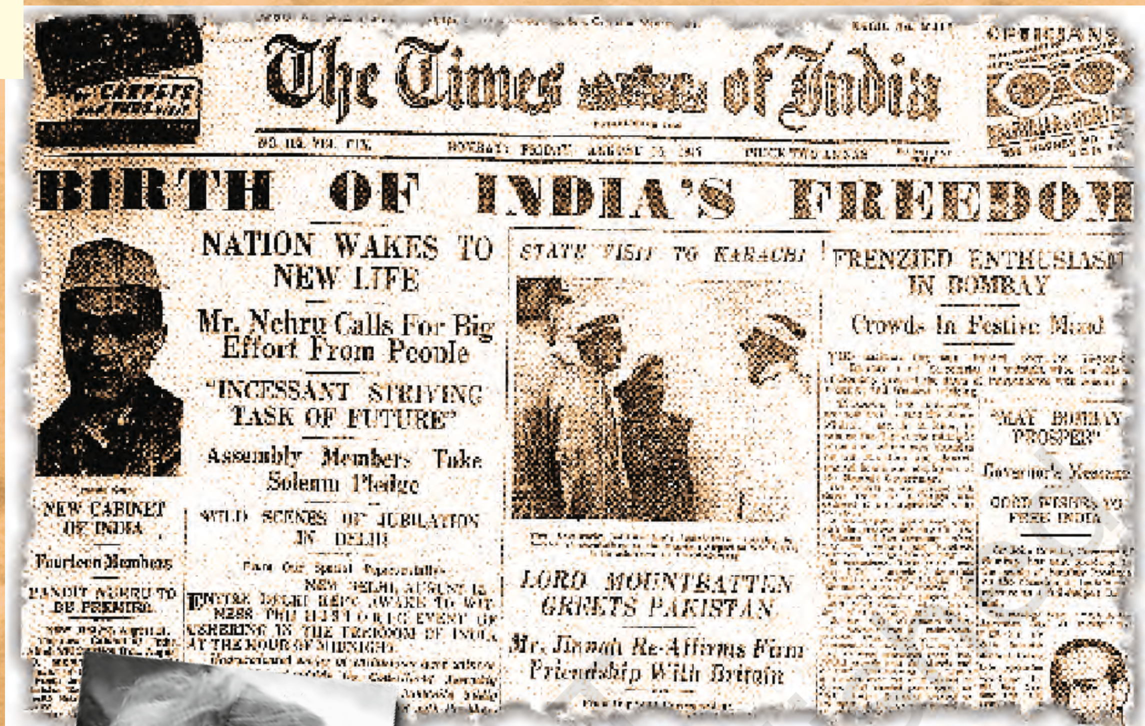

The Times of India

BIRTH OF INDIA'S FREEDOM

NATION WAKES TO NEW LIFE

Mr. Nehru Calls For Big Effort From People

"INCESSANT STRIVING TASK OF FUTURE"

Assembly Members Take Solemn Pledge

WILD SCENES OF JUBILATION IN DELHI

NEW CABINET OF INDIA

Fourteen Members

PANDIT NEHRU TO BE PREMIER

STATE VISIT TO KARACHI

LORD MOUNTBATTEN GREETS PAKISTAN

Mr. Jinnah Re-Affirms Firm Friendship With Britain

FRENZIED ENTHUSIASM IN BOMBAY

Crowds In Festive Mood

"MAY BOMBAY PROSPER"

Governor's Message

GOOD WISHES TO FREE INDIA

دی ٹائمز آف انڈیا، ممبئی، 15 اگست 1947

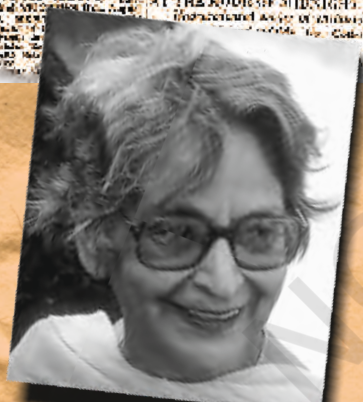

امریتا پریتم (2005-1919):
ایک ممتاز پنجابی شاعرہ اور ناول نگار تھیں۔ ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ، پدم شری اور گیان پیٹھ ایوارڈ سے نوازی گئیں۔ تقسیم کے بعد انھوں نے دھلی کو اپنا دوسرا گھر بنا لیا۔
وہ اپنی عمر کے آخری دنوں تک پنجابی رسالہ 'ناگ منی' میں لکھتی اور اس کی ادارت کرتی رہیں۔

آج میں وارث شاہ کو آواز دیتی ہوں

امریتا پریتم

آج میں وارث شاہ کو آواز دیتی ہوں، ''اپنی قبر سے آواز دو''
اور آج محبت کی کتاب کا اگلا صفحہ پلٹو
ایک بار پنجاب کی ایک بیٹی کی پکار پر تم نے آنسو بھرا رزمیہ لکھا تھا
آج پنجاب کی لاکھوں بیٹیاں تمھیں پکار رہی ہیں، وارث شاہ
اے دکھوں کے بیان کرنے والے اٹھو! اٹھو اور اپنے پنجاب کو دیکھو
آج کھیتوں میں لاشیں بکھری ہیں اور چناب میں خون بہہ رہا ہے
کسی نے ان پانچ دریاؤں کے پانی میں زہر گھول دیا ہے
اور اب یہی پانی ہماری زمین کے بیشتر حصہ کو سینچ رہا ہے۔
اس زرخیز زمین کا ہر پودا زہر کے کونپل نکال رہا ہے
بہتے ہوئے خون کی پکار سن کر آسمان بھی سرخ ہو گیا ہے
جنگل کی سرمست ہواؤں کے اندر سے اک چیخ سنائی دیتی ہے
ہر بانسری کی تان سے سانپ کی پھنکار سنائی دیتی ہے....

پنجابی نظم 'آج اکھاں وارث شاہ نوں' کے ایک حصہ کا ترجمہ

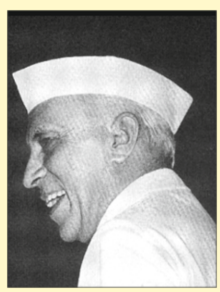

ہمارے یہاں ایک مسلم اقلیت ہے جو اپنی تعداد کے لحاظ سے اتنی بڑی ہے کہ اپنے چاہنے کے باوجود بھی یہ لوگ کہیں اور نہیں جا سکتے۔ یہ ایک بنیادی حقیقت ہے جس پر بحث کی ضرورت نہیں ہے۔ جو سلوک پاکستان میں غیر مسلمانوں کے ساتھ ہوا اور جس خوف اور بدسلوکی کا سامنا کیا اس سے قطع نظر ہمیں اپنی اس اقلیت سے مہذب سلوک روا رکھنا ہے۔ ہمیں ان کو تحفظ فراہم کرنا ہے اور ایک جمہوری ریاست کے شہری کی حیثیت سے ان کے حقوق دینے ہیں۔ اگر ہم ایسا کرنے میں ناکام رہے تو یہ خون ایسا رستا ہوا ناسور بن جائے گا جو رفتہ رفتہ سیاست کے جسم کو زہر آلود کر دے گا بلکہ شاید اسے ختم ہی کر دے۔

جواہر لعل نہرو، وزرائے اعلیٰ کے نام ایک خط، 15 اکتوبر 1947

© NCERT not to be republished

تقسیم : خانماں بربادی اور بازآبادکاری

14 اور 15 اگست 1947 کو ایک نہیں بلکہ دو قومی ریاستیں، ہندوستان اور پاکستان وجود میں آئیں۔ یہ 'تقسیم' کا نتیجہ تھا، برطانوی ہندوستان کی ہندوستان اور پاکستان میں تقسیم۔ وہ سیاسی حالات اور تغیر و تبدل جن کے بارے میں آپ نے اپنی تاریخ کی درسی کتابوں میں پڑھا ہے اس وقت نقطۂ عروج پر پہنچ گئے جب دونوں ملکوں کی سرحدوں کی لکیریں کھینچ دی گئیں۔ مسلم لیگ نے جس ''دو قومی نظریہ'' کو بڑھاوا دیا اس کے مطابق ہندوستان میں ایک قوم نہیں بلکہ دو قومیں بستی ہیں، ہندو اور مسلم۔ اس لیے اس نے مسلمانوں کے لیے ایک الگ ملک، پاکستان کا مطالبہ کیا۔ کانگریس نے اس نظریہ اور پاکستان کے مطالبے کی مخالفت کی۔ لیکن 1940 میں واقع ہونے والے کچھ سیاسی واقعات، کانگریس اور مسلم لیگ کی سیاسی زور آزمائی اور اس کے ساتھ ساتھ برطانوی کردار نے ایسے حالات پیدا کردیئے جس نے پاکستان کی تخلیق کا فیصلہ کردیا۔

تقسیم کا عمل

یہ طے کرلیا گیا کہ جسے اب تک ہندوستان، کے نام سے جانا جاتا تھا دو ملکوں۔ ہندوستان اور پاکستان میں بانٹ دیا جائے گا۔ نہ صرف یہ کہ اس قسم کا بٹوارہ تکلیف دہ تھا بلکہ اس کا فیصلہ اور نفاذ بھی مشکل تھا۔ اس تقسیم میں مذہبی اکثریت کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ مسلم اکثریت سے پاکستان کی تشکیل ہوگی۔ باقی ملک ہندوستان رہے گا۔

بظاہر یہ خیال بڑا آسان لگتا تھا لیکن اس میں کئی طرح کی مشکلیں تھیں۔ سب سے پہلے تو یہ کہ برطانوی ہندوستان میں کوئی ایسی اکیلی پٹی نہیں تھی جہاں مسلمان اکثریت میں ہوں۔ مشرق اور مغرب کے علاقے میں مسلمانوں کا ارتکاز تھا۔ ایسا کوئی طریقہ نہیں تھا کہ ان دونوں علاقوں کو ملا دیا جائے۔ لہٰذا یہ فیصلہ کیا گیا کہ نیا ملک - پاکستان - دو علاقوں یعنی مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان پر مشتمل ہوگا جب کہ ہندوستان کی سرزمین کا ایک لمبا ٹکڑا اسے ایک دوسرے سے علاحدہ رکھے گا۔ دوسرے یہ کہ تمام مسلم اکثریت کے علاقے پاکستان میں شامل نہیں ہونا چاہتے تھے۔ خان عبدالغفار خاں جو شمال مغربی سرحدی صوبہ کے سب سے بڑے غیر متنازع رہنما تھے اور 'سرحدی گاندھی' کے لقب سے مشہور تھے، دو قومی نظریے کے سخت مخالف تھے۔ رفتہ رفتہ ان کی آواز کو دبا دیا گیا اور صوبہ سرحد پاکستان میں شامل کردیا گیا۔

تیسری مشکل یہ تھی کہ برطانوی ہند کے دو مسلم اکثریت کے صوبے یعنی پنجاب اور بنگال کے کچھ بڑے علاقے ایسے بھی تھے جہاں غیر مسلم اکثریت میں تھے۔ تو پھر یہ طے پایا کہ مذہبی اکثریت کے اصول کے تحت دونوں صوبوں میں ضلعی سطح پر بھی کاٹ چھانٹ ہوگی اور بوقت ضرورت اس سے بھی نچلی سطح پر۔ لیکن یہ فیصلہ 14 اور 15 اگست کی درمیانی شب تک نہیں لیا جاسکا تھا۔ یعنی اس کا مطلب تھا کہ آزادی کے دن بہت سے لوگوں کو یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ ہندوستانی ہیں یا پاکستانی۔ ان دو صوبوں کا بٹوارہ تقسیم کا سب سے اذیت ناک پہلو ہے۔

© NCERT not to be republished

اس مسئلے کی چوتھی اور بٹوارے کی سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ یہ سرحد کے دونوں طرف کی اقلیتوں کا مسئلہ تھا۔ لاکھوں ہندو اور سکھ ان علاقوں میں، جواب پاکستان ہے، میں تھے، اور اتنی ہی تعداد میں ہندوستانی پنجاب اور بنگال میں مسلمان (اور کچھ حد تک دہلی اور اس کے اطراف میں) خود کو پھنسا ہوا محسوس کرتے تھے۔ انھیں پتہ چلا کہ وہ اپنے ہی گھر میں اور اپنی ہی سرزمین پر جہاں وہ اور ان کے اجداد صدیوں سے رہتے آرہے تھے ناپسندیدہ اجنبی بن گئے ہیں۔ جیسے ہی یہ پتہ چلا کہ ملک کا بٹوارہ ہونے والا ہے دونوں جانب کی اقلیتیں حملہ کے لیے آسان نشانہ بن گئیں۔ کسی نے بھی اس مسئلہ کی سنگینی کا اندازہ نہیں لگایا تھا اور نہ ہی کسی نے اس مسئلہ کا کوئی حل سوچا تھا۔ شروع میں عوام اور سیاسی رہنماؤں نے یہ سوچا کہ یہ تشدد عارضی ہے اور اس پر جلد ہی قابو پا لیا جائے گا۔ لیکن بہت جلد تشدد قابو سے باہر ہو گیا۔ دونوں طرف کی اقلیتوں کو سوائے گھر چھوڑنے کے اور کوئی چارہ نہیں تھا، وہ بھی اکثر چند گھنٹوں کی مہلت میں۔

تقسیم کے نتائج

1947 وہ سال تھا جس میں انسانی تاریخ کا سب سے بڑا، سب سے زیادہ اچانک، غیر منظم اور الم ناک انتقال آبادی کا واقعہ ہوا۔ سرحد کے دونوں جانب قتل و غارت گری اور ظلم ہوا۔ مذہب کے نام پر ایک فرقے نے دوسرے فرقہ کے لوگوں کو قتل کیا یا جسم کے اعضا کاٹ ڈالے۔ لاہور، امرتسر اور کولکاتا جیسے شہر فرقہ وارانہ علاقوں (Communal Zones) میں بٹ گئے تھے۔ ایک مسلمان ان علاقوں میں جانے سے پرہیز کرتا تھا جہاں ہندو اور سکھ رہتے تھے۔ اسی طرح مسلم اکثریت کے علاقوں میں ہندو اور سکھ جانے سے پرہیز کرتے تھے۔

بشکریہ: ڈی پی اے

1947 میں پناہ گزینوں سے بھری ایک ریل گاڑی

© NCERT not to be republished

میزبانی میں تاخیر

سعادت حسن منٹو

فسادیوں نے چلتی گاڑی کو روک لیا اور غیر مذہب کے لوگوں کو کھینچ کھینچ کر نکالا اور تلواروں اور گولیوں سے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ باقی مسافروں کو حلوہ، پھل اور دودھ دیا گیا۔

منتظمین کے سربراہ نے کہا ''بہنو اور بھائیو! ٹرین کے آنے کی خبر دیر میں ملی؛ اسی وجہ سے ہم آپ کا استقبال پرجوش طور پر نہ کرسکے، جیسا کہ آپ ہم چاہتے تھے''۔

ماخذ: سعادت حسن منٹو کی اردو کہانی ''کسرِ نفسی'' سے ماخوذ

اپنا گھر بار چھوڑنے اور سرحد کے پار جانے پر مجبور لوگ بے پناہ تکالیف سے گزرے۔ دونوں جانب اقلیتوں کے لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر بھاگ گئے اور اکثر عارضی پناہ گزیں کیمپوں میں رہے۔ لیکن اپنی ہی سرزمین میں ان کیمپوں میں اکثر ان کا سابقہ نامہربان انتظامیہ اور پولیس سے پڑا۔ سرحد پار کرنے کے لیے انھوں نے ہر سواری کا استعمال کیا اور اکثر پیدل بھی چلے۔ اکثر ایسا بھی ہوا کہ ہجرت کے اس سفر کے دوران ان پر حملہ کیا گیا اور وہ قتل اور جنسی ظلم وستم کے شکار ہوئے۔ سرحد کے دونوں جانب ہزاروں عورتوں کو اغوا کیا گیا۔ وہ اغوا کنندگان کا مذہب اختیار کرنے اور ان سے شادی کرنے پر مجبور کی گئیں۔ کئی جگہ ایسا بھی ہوا کہ خاندان والوں نے 'عزت' کی خاطر خود اپنی عورتوں کو قتل کر دیا۔ کتنے ہی بچے اپنے والدین سے بچھڑ گئے اور جو سرحد پار کرنے میں کامیاب ہو گئے، انھیں پتہ چلا کہ ان کا کوئی گھر نہیں ہے۔ ان لاکھوں مہاجرین کے لیے ملک کی آزادی کا مطلب پناہ گزیں کیمپوں میں مہینوں اور کبھی کبھی سالوں تک کا قیام تھا۔

ہندوستان اور پاکستان کے ادیب، شاعر اور فلم پروڈیوسروں نے اس بے رحم قتل و غارت گری اور خانماں بربادی کے مصائب کو اپنے ناولوں، افسانوں، نظموں اور فلموں میں بیان کیا۔ تقسیم کو بیان کرتے وقت انھوں نے بھی وہی اصطلاح استعمال کی جو بٹوارے کے بعد زندہ رہنے والوں نے استعمال کی تھی یعنی — دلوں کی تقسیم۔

بشکریہ: نہرو میموریل میوزیم اینڈ لائبریری

1947 میں گاندھی جی نواکھالی (اب بنگلہ دیش) میں

یہ بٹوارہ مال و جائداد اور ذمے داریوں کا ہی نہیں تھا اور نہ ہی یہ محض ملک کی زمین اور انتظامی ڈھانچے کی ایک سیاسی تقسیم تھی بلکہ تقسیم ہونے والی چیزوں میں مالی اثاثے، میزیں، کرسیاں، ٹائپ رائٹر، پیپر

© NCERT not to be republished

کتابیں اور پولیس بینڈ کے موسیقی کے آلات تک شامل تھے۔ ریلوے اور سرکاری حکام بھی تقسیم کیے گئے لیکن سب سے بڑی بات ان دو فرقوں کی پُرتشدد علاحدگی تھی جو اب تک پڑوسیوں کی طرح رہ رہے تھے۔ اندازہ لگایا جاتا ہے کہ بٹوارے کی وجہ سے تقریباً 80 لاکھ لوگوں کو سرحد پار کرنی پڑی۔ بٹوارے سے متعلق تشدد میں پانچ سے دس لاکھ تک لوگ مارے گئے۔

انتظامی اور مالی دباؤ اور اندیشوں کے علاوہ بٹوارے نے ایک اور بڑا مسئلہ پیدا کیا۔ ہندوستان کی قومی جدوجہد کے رہنما دو قومی نظریے پر یقین نہیں رکھتے تھے لیکن اس کے باوجود مذہبی بنیاد پر بٹوارہ ہوا۔ کیا اس کا مطلب یہ تھا کہ ہندوستان خود بخود ایک ہندو ریاست بن گیا؟ پاکستان کی جانب ایک کثیر مسلم آبادی کی ہجرت کے باوجود 1951 میں ہندوستانی مسلمان ملک کی آبادی کا 12 فی صد حصہ تھے۔ تو پھر ہندوستان کی حکومت کا اپنے مسلمان شہریوں اور دوسری مذہبی اقلیتوں کے ساتھ کیا روّیہ ہونا چاہیے (یعنی سکھ، عیسائی، جین، بودھ، پارسی اور یہودی)؟ بٹوارے نے دونوں فرقوں کے درمیان سنگین اختلافات پیدا کر دیے تھے۔

ان اختلافات کے پس پردہ سیاسی مفادات کی مقابلہ آرائی تھی۔ برطانوی ہندوستان میں مسلمانوں کے مفادات کے تحفظ کے لئے مسلم لیگ کی تشکیل ہوئی۔ ایک علاحدہ مسلم ریاست کے مطالبہ میں یہ پیش پیش تھی۔ اسی طرح سے کچھ جماعتیں ہندوؤں کو منظّم کر رہی تھیں تا کہ ہندوستان کو ایک ہندو قومی ریاست میں تبدیل کیا جاسکے۔ لیکن قومی تحریک کے رہنماؤں کو یقین یہ تھا کہ ہندوستان میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے اور ایک خاص مذہب کے ماننے والوں کو دوسرے مذاہب کے ماننے والوں پر فوقیت نہیں دی جانی چاہیے۔ بلاامتیاز مذہب وملت تمام شہریوں کا درجہ برابر کا ہے۔ مذہبی ہونا شہریت کا امتحان نہیں ہوگا۔ اس طرح ان رہنماؤں نے ایک سیکولر قوم کا خواب دیکھا تھا اور ان کا آئیڈیل ہندوستان کے دستور میں موجود ہے۔

آیئے ایک فلم دیکھیں

گرم ہوا

آگرہ کے جوتوں کے ایک تاجر، سلیم مرزا اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جن میں انھوں نے زندگی گزاری، بڑھتی ہوئی مشکلوں میں گھرا ہوا پاتے ہیں۔ وہ بٹوارے کے بعد کی ابھرتی ہوئی حقیقتوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ اس کی تجارت میں نقصان ہوتا ہے اور سرحد پار سے آیا ہوا ایک پناہ گزین ان کے آبائی گھر پر قابض ہو جاتا ہے۔ اس کی لڑکی کا انجام بھی المناک ہوتا ہے۔ لیکن یقین ہے کہ حالات جلد سدھر جائیں گے۔

لیکن اس کے خاندان کے دوسرے اراکین پاکستان ہجرت کر جاتے ہیں۔ سلیم خود پاکستان جانے کی کشش اور ہندوستان میں ٹھہرنے کی تمنا کے درمیان تذبذب میں ہے۔ ایک فیصلہ کن لمحہ اس وقت آتا ہے جب سلیم طلبا کے ایک جلوس کو دیکھتا ہے جو حکومت سے بہتر رویہ اور سلوک کا مطالبہ کر رہا تھا۔ اس کا بیٹا سکندر بھی اس جلوس میں شامل ہے۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ سلیم مرزا نے آخر کار کیا کیا ہوگا؟ اور یہ کہ ان حالات میں آپ کیا کرتے؟

سال: 1973
ہدایت کار: ایم۔ ایس۔ ستھیو
اسکرین پلے: کیفی اعظمی
اداکار: بلراج ساہنی، جلال آغا، فاروق شیخ، گیتا سدھارتھ

© NCERT not to be republished

مہاتما گاندھی کی قربانی

15 اگست 1947 کو مہاتما گاندھی نے یوم آزادی کی کسی تقریب میں شرکت نہیں کی۔ وہ کولکاتا میں ان علاقوں کا دورہ کر رہے تھے جہاں بھیانک ہندو مسلم فساد ہوئے تھے۔ انھیں فرقہ وارانہ تشدد کو دیکھ کر بہت دکھ ہوا تھا۔ وہ اس لیے بھی بہت مایوس تھے کہ اہنسا (عدم تشدد) اور ستیہ گرہ (سرگرم غیر متشدد مزاحمت) کے وہ اصول جن کے لیے انھوں نے زندگی بھر کام کیا تھا، آزمائش کے دنوں میں لوگوں کو ایک ساتھ باندھنے میں ناکام رہے۔ گاندھی جی ہندو اور مسلم کو تشدد ترک کرنے کے لیے مستقل سمجھاتے رہے۔ کولکاتا میں ان کی موجودگی نے حالات کو بہت سدھارا اور آزادی کی آمد کو فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے ساتھ منایا گیا اور گلیوں میں ناچ ہوتا رہا۔ گاندھی جی کی پوجا کی مجلسوں نے کافی تعداد میں لوگوں کو متاثر کیا لیکن یہ بہت تھوڑے وقت کے لیے تھا۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان فرقہ وارانہ فسادات پھر پھوٹ پڑے۔ گاندھی جی کو دوبارہ حالات معمول پر لانے کے لیے بھوک ہڑتال کا سہارا لینا پڑا۔

اگلے مہینے گاندھی جی دہلی چلے گئے جہاں بڑے پیمانے پر ہندو مسلم فساد ہو رہے تھے۔ ان کو زیادہ فکر اس بات کی تھی کہ مسلمانوں کو اس ملک میں وقار اور برابر کے شہری کی حیثیت سے رہنے کی اجازت دی جائے۔ ان کو ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کی بھی فکر تھی۔ وہ مالی معاملات میں ہندوستانی حکومت کی وعدہ خلافی سے بھی ناخوش تھے۔ ان سب کو ذہن میں رکھتے ہوئے وہ جنوری 1948 میں بھوک ہڑتال پر چلے گئے جو ان کی آخری بھوک ہڑتال ثابت ہوئی۔ کولکاتا کی طرح دہلی میں بھی ان کی بھوک ہڑتال کا جادوئی اثر ہوا۔ دہلی اور اس کے اطراف میں مسلمان حفاظت سے اپنے گھروں کو لوٹ آئے۔ ہندوستانی حکومت پاکستان کو اس کے مالی واجبات دینے کے لیے راضی ہوگئی۔

گاندھی جی کے اقدامات کو ہر کوئی پسند نہیں کرتا تھا۔ دونوں فرقوں کے انتہا پسند ان ہی کو اپنی حالت کا ذمے دار سمجھتے تھے۔ وہ ہندو خاص طور سے ان کو ناپسند کرتے تھے جو چاہتے تھے کہ ہندو انتقام لیں یا وہ جو ہندوستان کو ہندوؤں کا ملک بنانا چاہتے بالکل اسی طرح جیسے پاکستان مسلمانوں کا ملک تھا۔ انھوں نے گاندھی جی پر الزام لگایا کہ وہ مسلمان اور پاکستان کے مفاد کے لیے کام کر رہے ہیں۔ گاندھی جی کا خیال تھا کہ یہ لوگ بھٹک گئے ہیں۔ انھیں پورا یقین تھا کہ ہندوستان کو ہندو ملک بنانے کی کوئی بھی کوشش اس کو تباہ کر دے گی۔ ان کی ہندو مسلم اتحاد کی مستقل کوششوں سے ہندو انتہا پسند اتنے ناراض ہوئے کہ انھوں نے کئی بار گاندھی جی کی جان لینے کی کوشش کی۔ اس کے باوجود انھوں نے مسلح حفاظت لینے سے انکار کر دیا اور اپنی پوجا کی مجلسوں میں ہر ایک سے ملتے رہے۔ آخر کار 30 جنوری 1948 کو ایسا ہی ایک ہندو انتہا پسند ناتھورام ونائک گوڈسے، شام کی عبادت کے دوران گاندھی جی کے قریب آیا اور ان پر تین گولیاں چلا دیں۔ گاندھی جی نے وہیں دم توڑ دیا۔ اس طرح حق، عدم تشدد، انصاف اور برداشت کی زندگی بھر کی جدوجہد کا خاتمہ ہو گیا۔

گاندھی جی کی موت نے ملک کی فرقہ وارانہ حالت کے لیے جادو کا کام کیا۔ بٹوارے سے متعلق غم و غصہ اور تشدد فوراً دب گیا۔ منافرت پھیلانے والی تنظیموں پر حکومت نے شکنجہ کسا۔ راشٹریہ سویم سیوک سنگھ جیسی تنظیمیں کچھ عرصے کے لیے غیر قانونی قرار دے دی گئیں اور لوگوں کے لیے فرقہ وارانہ سیاست میں کوئی کشش نہیں رہی۔

© NCERT not to be republished

کولکاتا میں گاندھی جی کی شہادت کی خبر سنتے ہی بھیڑ اُمڈ پڑی

آیئے تحقیق کریں

شویتا نے یہ محسوس کیا کہ جب کبھی پاکستان کا نام آتا ہے تو اس کے نانا بالکل خاموش ہوجاتے ہیں۔ ایک دن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس کے بارے میں ان سے ضرور سوال کرے گی۔ اس کے نانا نے اسے بتایا کہ بٹوارے کے دوران وہ کس طرح لاہور سے لدھیانہ پہنچے۔ ان کے والدین مارڈالے گئے تھے۔ بلکہ ان کی جان بھی نہ بچتی، لیکن ان کے ایک پڑوسی خاندان نے جو مسلمان تھا ان کو پناہ دی اور کئی دن تک ان کو اپنے گھر میں چھپائے رکھا۔ اس خاندان نے ان کے کچھ رشتے داروں کو ڈھونڈنے میں مدد کی اور اس طرح انھوں نے سرحد پار کی اور ایک نئی زندگی کی شروعات کی۔

کیا آپ نے بھی ایسی کوئی کہانی سنی ہے؟ اپنے نانا یا دادا یا اس نسل کے اور لوگوں سے ان کی یومِ آزادی کی یادوں کے متعلق پوچھیے۔ ان سے ان توقعات کے بارے میں سوال کیجیے جو وہ آزادی سے رکھتے تھے اس کے علاوہ ان تقریبات اور مصائب کے بارے میں پوچھیے جن سے وہ بٹوارہ کی وجہ سے گزرے۔

ایسی کم سے کم دو کہانیوں کے بارے میں لکھیے۔

راجاؤں کی ریاستوں کا ادغام

برطانوی ہندوستان دو حصوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک حصہ تو برطانوی ہند اور دوسرا راجاؤں کی ریاستیں تھیں۔ صوبہ جات براہِ راست برطانوی انتظامیہ کے تحت تھے۔ دوسری جانب راجاؤں کی ریاستیں تھیں جو رقبے کے لحاظ سے چھوٹی اور بڑی تھیں جن پر راجہ حکومت کرتے تھے مگر اقتدار اعلیٰ برطانیہ کے ہاتھوں میں تھا۔ اسی کو تاج برطانیہ کی عظمت اور اقتدار کہا جاتا تھا یہ ریاستیں برطانوی ہندوستان کے ایک تہائی رقبے پر چھائی ہوئی تھیں اور ہندوستان کی ایک چوتھائی آبادی ان میں رہتی تھی۔

مسئلہ

آزادی سے کچھ ہی قبل برطانیہ نے یہ اعلان کیا کہ ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہی ریاستوں پر سے بھی ان کا اقتدار ختم ہوجائے گا۔ اس کا مطلب تھا کہ تمام ریاستیں جن کی تعداد 565 تھی قانونی طور سے خود بخود آزاد ہوجائیں گی۔ برطانوی حکومت کی رائے تھی کہ یہ تمام ریاستیں اس معاملے میں آزاد ہیں کہ چاہیں تو وہ ہندوستان کے ساتھ رہیں یا پاکستان کے اور اگر چاہیں تو خودمختار رہیں۔ اس فیصلے کا اختیار عوام کو نہیں بلکہ ریاست کے حکمراں کے ہاتھ میں تھا۔ یہ ایک اہم مسئلہ تھا جس سے خود متحدہ ہندوستان کا وجود خطرے میں پڑ گیا تھا۔

یہ شکلیں جلد ہی سامنے آگئیں۔ سب سے پہلے ٹراونکور کے حکمران نے اپنی خودمختاری کا اعلان کیا۔ دوسرے

© NCERT not to be republished

ہندوستان
تقسیم سے پہلے اور بعد

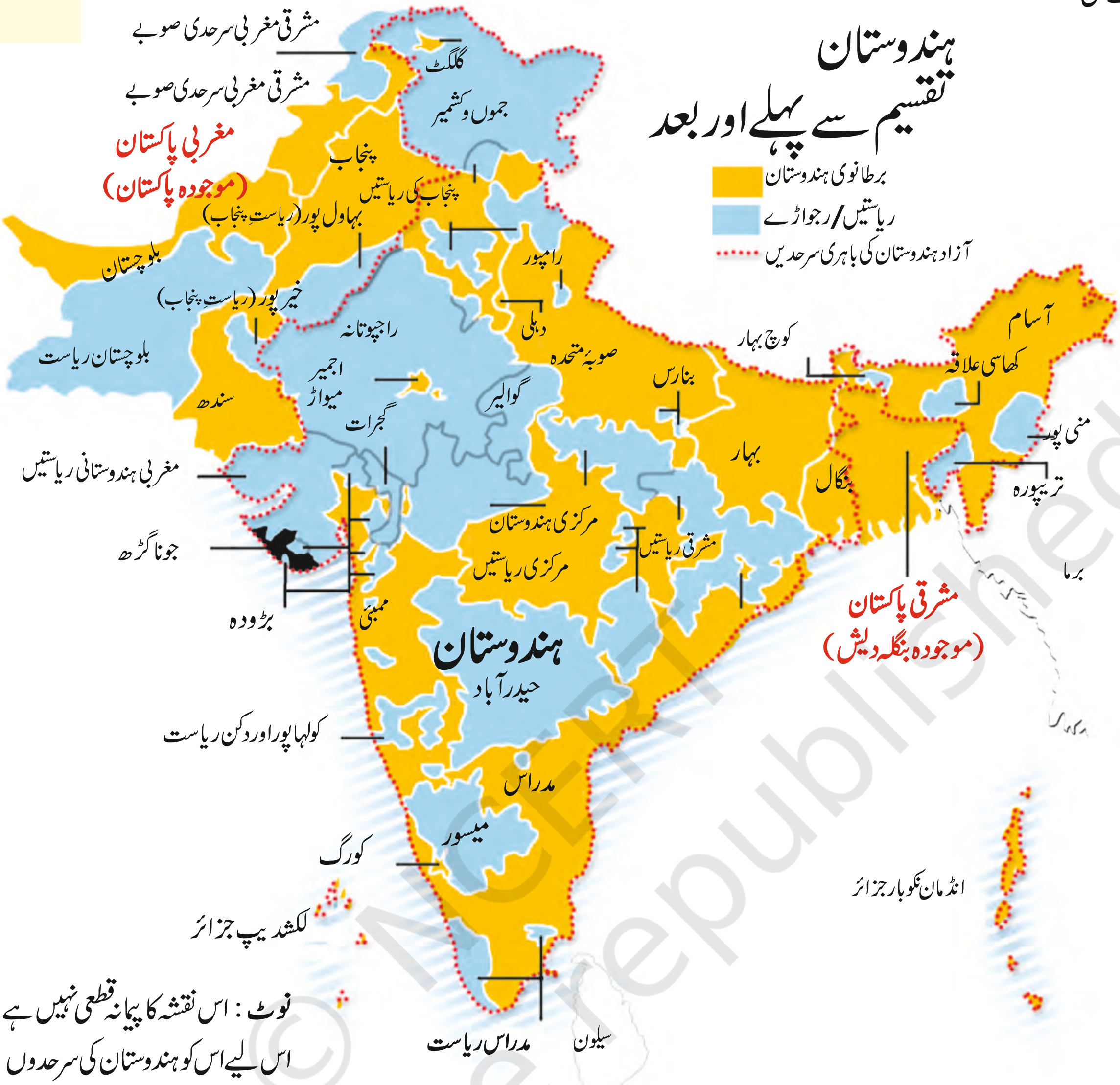

نوٹ: اس نقشہ کا پیمانہ قطعی نہیں ہے اس لیے اس کو ہندوستان کی سرحدوں کی نشاندہی کے لیے مستند نہیں سمجھنا چاہیے۔

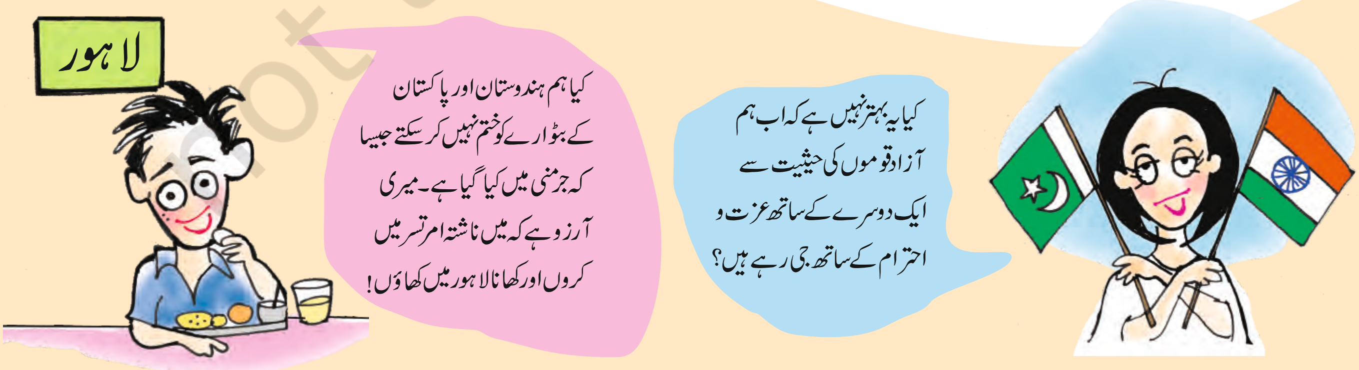

© NCERT not to be republished

دن حیدرآباد کے نظام نے بھی ایسا ہی ایک اعلان جاری کیا۔ نواب بھوپال جیسے حکمراں بھی دستوری اسمبلی میں جانے سے احتراز کررہے تھے۔ ریاستوں کے حکمرانوں کے ردعمل سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ممکن ہے کہ آزادی کے بعد ہندوستان مزید چھوٹے چھوٹے ملکوں میں بٹ جائے۔ ان ملکوں کے عوام کے لیے جمہوریت کے امکانات بھی روشن نظر نہیں آتے تھے۔ یہ صورت حال بڑی عجیب لگتی تھی کیوں کہ ہندوستان کی آزادی کا مطلب اتحاد، آزادی رائے اور جمہوریت تھا۔ ان میں سے اکثر ریاستوں میں حکومت غیر جمہوری طرز پر چلائی جاتی تھی اور حکمراں عوام کو ان کے جمہوری حقوق دینا ناپسند کرتے تھے۔

حکومت کے اقدام

ہندوستان کی عارضی حکومت نے ملک کو چھوٹی بڑی ریاستوں میں تقسیم ہونے کے خلاف سخت اقدامات کیے۔ مسلم لیگ نے کانگریس کے نقطۂ نظر کی مخالفت کی اور کہا کہ ریاستوں کو اپنی مرضی کا راستہ چننے کا اختیار ہونا چاہیے۔ آزادی کے بعد کے نازک دور میں سردار پٹیل ہندوستان کے نائب وزیراعظم اور وزیر داخلہ تھے۔ انھوں نے ریاست کے حکمرانوں سے گفت وشنید میں ایک اہم تاریخی کردار ادا کیا اور مستقل مزاجی اور حکمتِ عملی سے کام لے کر زیادہ تر ریاستوں کو انڈین یونین میں شامل کروایا۔ اب یہ سب کچھ آسان سا لگتا ہے لیکن درحقیقت یہ ایک بہت پیچیدہ کام تھا جس میں سفارتی مہارت کی اشد ضرورت تھی۔ مثال کے طور پر اڑیسہ میں 26 چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں۔ گجرات کے سوراشٹر علاقے میں 14 بڑی ریاستیں اور 119 چھوٹی ریاستیں تھیں اور کئی مختلف انتظامی ڈھانچے تھے۔

حکومت کے نظریے کی رہنمائی تین نکتوں نے کی۔ سب سے پہلے تو یہ کہ زیادہ تر ریاستوں کے عوام انڈین یونین میں شامل ہونا چاہتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حکومت کچھ علاقوں کی خودمختاری میں تھوڑی لچک دینے کے لیے تیار تھی۔ تیسرے یہ کہ آزادی اور تقسیم کے پس منظر میں قومی سرحدوں کی نشان دہی ایک مرکزی اور اہم مسئلہ بن گیا تھا۔

15 اگست 1947 سے پہلے کم وبیش وہ تمام ریاستیں جن کی سرحدیں ہندوستان سے ملتی تھیں پُرامن گفت وشنید کے ذریعے انڈین یونین کا حصہ بن چکی تھیں۔ ان میں زیادہ تر حکمرانوں نے ایک معاہدے پر دستخط کیے جس کو 'الحاق کی دستاویز' (Instrument of accession) کہا جاتا ہے جس کا مطلب ہے کہ ان کی ریاست انڈین یونین کا حصہ بننے کے لیے رضامند ہے۔ جوناگڑھ، حیدرآباد، کشمیر اور منی پور کا الحاق خاصا مشکل ثابت ہوا۔ جوناگڑھ کا مسئلہ اس طرح حل ہوا کہ عوام کی رائے شماری نے یہ طے کردیا کہ وہ انڈین یونین میں شامل ہونا چاہتے ہیں۔ کشمیر کے متعلق آپ آٹھویں باب میں پڑھیں گے۔ یہاں ہم منی پور اور حیدرآباد کے معاملے پر نظر ڈالتے ہیں۔

> ہم ہندوستانی تاریخ کے ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑے ہیں۔ مشترکہ کوششوں سے ہم ملک کو نئی بلندیوں تک لے جاسکتے ہیں۔ لیکن اتحاد کا فقدان ہمیں غیرمتوقع مصائب کے سامنے لاکر کھڑا کردے گا۔ مجھے امید ہے کہ ہندوستانی ریاستیں اس حقیقت کو محسوس کریں گی کہ اگر ہم مفاد عامہ کے لیے تعاون نہیں کریں گے اور مل جل کر کام نہیں کریں گے تو لاقانونیت اور انتشار چھوٹے اور بڑے سب کو اپنے گھیرے میں لے لے گا اور یہ عمل ہمیں مکمل تباہی کی طرف لے جائے گا----
>
> **سردار پٹیل**
> ریاست کے حکمرانوں کو خط، 1947-

© NCERT not to be republished

سردار پٹیل حیدرآباد کے نظام کے ساتھ

حیدر آباد

حیدرآباد سب سے بڑی ریاست تھی اور مکمل طور سے ہندوستانی علاقے سے گھری ہوئی تھی۔ پرانی ریاست حیدرآباد کے کچھ علاقے آج مہاراشٹر، کرناٹک اور آندھرا پردیش کا حصہ ہیں۔ اس کے حکمراں کا خطاب نظام تھا اور وہ دنیا کے امیر ترین آدمیوں میں سے ایک تھا۔ نظام حیدرآباد کی آزاد اور خودمختار حیثیت چاہتا تھا۔ اس نے ہندوستان سے ایک عارضی یا متعلق معاہدہ (Standstill Agreement) نومبر 1947 میں کیا۔ اس کی مدت ایک سال تھی۔ اس درمیان ہندوستانی حکومت کے ساتھ گفت وشنید جاری رکھنا طے ہوا۔

اسی درمیان ریاست حیدرآباد کے لوگوں میں نظام کے خلاف تحریک نے زور پکڑ لیا۔ خصوصاً تلنگانہ علاقے کے کسان جو نظام کے جبر واستبداد کے شکار تھے اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس تحریک میں عورتوں نے جو ظلم وستم کا بری طرح شکار ہوئی تھیں، بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ حیدرآباد شہر اس تحریک کا اعصابی مرکز تھا۔ کمیونسٹ اور حیدرآباد کانگریس اس تحریک میں پیش پیش تھے۔ نظام نے ردعمل کے طور پر ایک نیم فوجی تنظیم 'رضا کار' کو بڑھاوا دیا۔ رضا کاروں کی فرقہ واریت اور ظلم کی کوئی حد نہیں تھی۔ انھوں نے قتل، غارت گری، زنا بالجبر کا بازار گرم کر دیا جس کا نشانہ اکثر غیر مسلم تھے۔ مرکزی حکومت نے حالات کو قابو میں لانے کے لیے فوجی کارروائی کی۔ ستمبر 1948 میں ہندوستانی فوج نظام کا سامنا

سردار ولبھ بھائی پٹیل
(1875-1950)
تحریکِ آزادی کے رہنما، کانگریسی رہنما، مہاتما گاندھی کے پیرو، نائب وزیر اعظم اور آزاد ہندستان کے پہلے نائب وزیر داخلہ، ریاستوں کے الحاق میں کلیدی کردار ادا کیا، دستور ساز اسمبلی کمیٹی برائے بنیادی حقوق، اقلیت اور صوبائی دستور وغیرہ کی اہم کمیٹیوں کے ممبر۔

کرنے کے لیے حرکت میں آئی۔ کچھ دنوں کی جنگ کے بعد نظام نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح حیدرآباد کا الحاق ہندوستان کے ساتھ ہو گیا۔

منی پور

آزادی سے کچھ دن قبل بودھا چندر سنگھ مہاراجہ آف منی پور نے حکومت ہند کے ساتھ، الحاق کی دستاویز پر اس یقین دہانی کے ساتھ دستخط کیے کہ ان کی داخلی خود مختاری برقرار رہے گی۔ رائے عامہّ کے دباؤ کے تحت مہاراجہ نے جون 1948 میں الیکشن کرائے اور ریاست ایک دستوری بادشاہت بن گئی۔ اس طرح یہ ہندوستان کا پہلا حصہ تھا جہاں بالغ رائے دہندگی کے اصول پر الیکشن ہوئے۔

منی پور کی قانون ساز اسمبلی میں ریاست کے ہندوستان سے الحاق پر کافی ہنگامہ آرائی رہی۔ ریاستی کانگریس الحاق کی حامی تھی لیکن دوسری سیاسی پارٹیاں اس کی مخالف تھیں۔ بہر حال ہندوستانی حکومت مہاراجہ پر دباؤ ڈالنے میں کامیاب ہو گئی اور مہاراجہ نے ستمبر، 1949 میں ادغام کے معاہدے پر دستخط کر دیے۔ منی پور میں اس معاہدے کے خلاف بہت غصّہ اور ناراضگی کا اظہار ہوا اور اس کے نتائج آج بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔

مجھے یہ سوچ کر حیرت ہوتی ہے کہ آخر ان سینکڑوں راجاؤں، رانیوں، شہزادوں اور شہزادیوں کا کیا ہوا؟ ایک عام شہری بن کر انھوں نے اپنی زندگی کیسے گزاری ہوگی؟

یہ کارٹون ریاست کے راجاؤں اور عوام کے درمیان تعلقات پر تبصرہ ہے۔ اور ساتھ ہی اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے پٹیل کے طریقہ کار پر بھی۔

© NCERT not to be republished

ریاستوں کی تشکیل نو

قومی تعمیر کا سلسلہ بٹوارہ اور نوابی ریاستوں کے ہندوستان میں مل جانے کے ساتھ ختم نہیں ہوگیا۔ اب ہندوستان کی اندرونی ریاستوں کی حد بندی کا چیلنج سامنے تھا۔ یہ صرف نظم و نسق کی تقسیم کا معاملہ نہیں تھا۔ ریاستوں کی حدود اس اعتبار سے متعین کرنی تھیں کہ ملک کے لسانی اور ثقافتی تنوع کا اظہار بھی ہو اور ساتھ ہی قوم کی وحدت کو بھی کوئی خطرہ نہ ہو۔

برطانیہ کے زمانے میں ریاستوں کی سرحدیں یا تو انتظامی سہولتوں کی بنیاد پر بنائی گئی تھیں یا پھر برطانوی حکومت جوں جوں آگے بڑھتی گئی، سرحدیں ترتیب دیتی رہی یا پھر رجواڑے ریاستوں کی حدیں تھیں۔

ہماری قومی تحریک نے ان حد بندیوں کو مصنوعی قرار دے کر خارج کر دیا تھا اور لسانی اصول پر ریاستوں کی نئی تشکیل کا وعدہ کیا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کانگریس کے 1920 کے ناگپور سیشن کے بعد ہی یہ اصول اپنا لیا گیا تھا۔ اسی لیے کانگریس پارٹی کی اپنی تنظیم نو اسی بنیاد پر ہونے لگی۔ لسانی علاقوں میں کئی صوبائی کانگریس کمیٹیاں قائم کی گئیں جو برطانوی ہند کے انتظامی ڈھانچے کے مطابق نہیں تھیں۔

آزادی اور بٹوارے کے بعد حالات بدل گئے۔ ہمارے رہنماؤں نے محسوس کیا کہ لسانی بنیاد پر ریاستوں کی تشکیل انتشار اور اختلاف کا سبب ہوگی۔ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ اس طرح دوسرے اہم معاشی اور سماجی مسائل سے، جن کا ملک کو سامنا ہے، توجہ ہٹ جائے گی۔ مرکزی حکومت نے اس معاملے کو ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا۔ ملتوی کرنے کی ضرورت اس لیے بھی تھی کہ ابھی راجاؤں کی ریاستوں کے بارے میں آخری فیصلہ نہیں ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بٹوارہ کی یادیں ابھی تازہ تھیں۔

مرکزی قیادت کے اس فیصلے کو مقامی رہنماؤں اور عوام نے چیلنج کیا۔ پرانے صوبہ مدراس اس کے تیلگو بولنے والے حصّہ میں جس میں جو آج کے تامل ناڈو، آندھرا پردیش، کیرالہ اور کرناٹک کا بھی کچھ علاقہ شامل تھا، احتجاج شروع ہوگیا۔ وشال آندھرا تحریک (جو کہ آندھرا کی علاحدگی پسند تحریک کا نام تھا) کا مطالبہ تھا کہ تیلگو بولنے والے علاقے کو مدراس صوبہ سے علاحدہ کیا جائے اور ایک الگ آندھرا صوبہ بنایا جائے۔ تقریباً تمام سیاسی قوتیں اس وقت مدراس کی لسانی بنیادوں پر تقسیم کے حق میں تھیں۔

مرکزی حکومت کے پس و پیش نے اس تحریک کو اور ہوا دی۔ مشہور گاندھی نواز اور کانگریس لیڈر پوٹی سری راملو غیر معینہ مدت کی بھوک ہڑتال پر چلے گئے اور 56 دنوں کے بعد ان کی موت ہوگئی۔ اس نے بے چینی کی فضا پیدا کر دی اور انجام کار آندھرا کے علاقے میں تشدد پھوٹ پڑا اور کثیر تعداد میں عوام سڑکوں پر اتر آئے۔ پولیس کی گولی باری سے بہت سے لوگ زخمی ہوئے اور بہتوں نے اپنی جانیں گنوائیں۔ مدراس میں اسمبلی کے کئی ممبروں نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ آخر کار دسمبر 1952 میں وزیر اعظم نے ایک علاحدہ آندھرا ریاست کے قیام کا اعلان کیا۔

> اگر لسانی صوبے بنائے جاتے ہیں تو اس کی علاقائی زبانیں بھی اُبھریں گی۔ تمام علاقوں میں ہندوستانی، کو ذریعۂ ابلاغ بنانا ایک فضول بات ہو گی لیکن اس سے بھی فضول بات یہ ہو گی کہ انگریزی کو اس مقصد کے لیے اپنایا جائے۔
>
> **مہاتما گاندھی**
> جنوری 1948

© NCERT not to be republished

تنظیمِ نو کے بعد ہندوستان
انتظامی نقشہ 1961

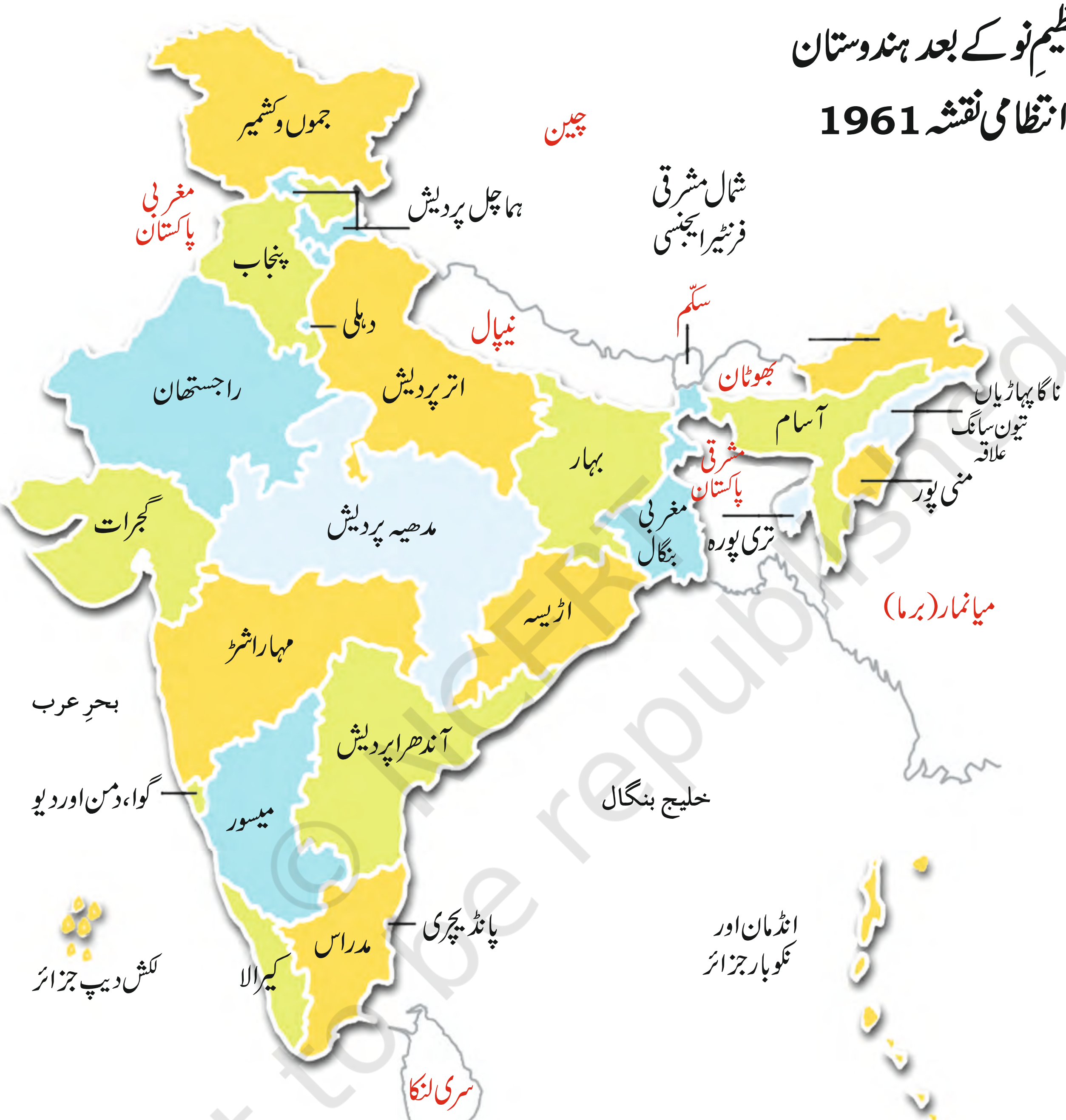

نوٹ: یہ نقشہ پیمانے کے مطابق تیار نہیں کیا گیا اس لیے اس کو ہندوستان کی خارجی سرحدوں کی نشان دہی کے لیے مستند نہیں سمجھنا چاہیے۔

© NCERT not to be republished

نقشے کا مطالعہ کرنے کے بعد درج ذیل سوالات کا جواب دیجیے:

1۔ اس اصل ریاست کا نام بتائیے جس سے مندرجہ ذیل ریاستیں بنائی گئی ہیں۔

گجرات — ہریانہ

میگھالیہ — چھتیس گڑھ

2۔ ان دو ریاستوں کے نام بتائیے جو ملک کے بٹوارے سے متاثر ہوئی تھیں۔

3۔ آج کی ان دو ریاستوں کے نام بتائیے جو کبھی مرکزی اختیار میں تھیں۔

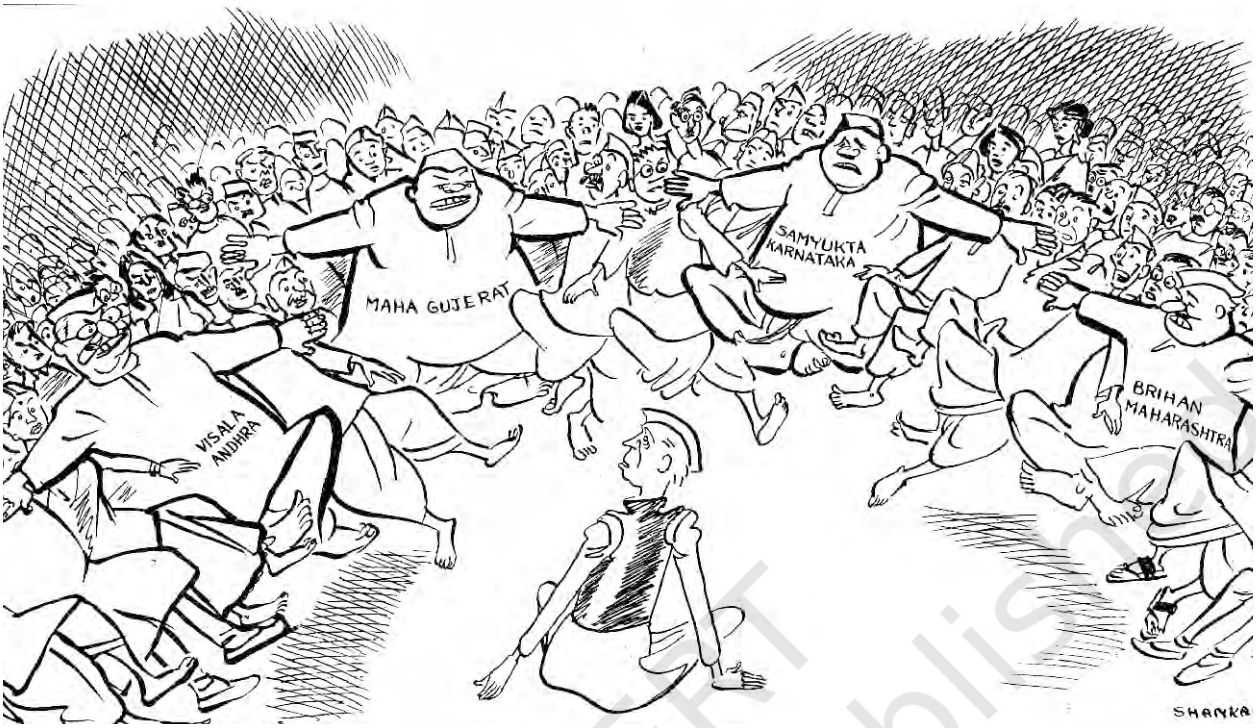

'بقا کی جدوجہد' (26 جولائی 1953) لسانی ریاستوں کے مطالبہ کے عصری تاثر کو دکھاتے ہوئے

آندھرا پردیش کے قیام نے ملک کے دوسرے حصوں میں لسانی بنیاد پر ریاستوں کے قیام کی جدوجہد کو اور تیز کر دیا۔ ان تحریکوں کی وجہ سے مرکزی حکومت نے 1953 میں ریاستوں کی تنظیم نو کے لیے کمیشن قائم کر دیا جس کا مقصد اس مسئلے پر غور کرنا تھا۔ کمیشن نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ ریاستوں کی سرحدیں زبان کی سرحدوں سے ہم آہنگ ہونی چاہئیں۔ اس رپورٹ کی بنیاد پر 1956 میں ریاستوں کی از سر نو تنظیم کا ایکٹ پاس ہوا اور 14 ریاستوں اور 6 یونین عمل داریوں کا قیام ہوا۔

پوٹی سری راملو

(1901-1952): گاندھی نظریہ کے حامل ایک کارکن؛ نمک ستیہ گرہ میں شرکت کی خاطر سرکاری نوکری ترک کر دی، انفرادی طور پر ستیہ گرہ بھی کی۔ 1946 میں اس مطالبے پر بھوک ہڑتال کی کہ صوبہ مدراس کے مندروں کے دروازے دلتوں کے لیے بھی کھلنے چاہئیں۔ 19 اکتوبر 1952 میں ایک اور بھوک ہڑتال کی آندھرا پردیش کے قیام کے لیے۔ 15 دسمبر 1952 کو اسی بھوک ہڑتال کے دوران دم توڑ دیا۔

اچھا، کیا یہ دل چسپ بات نہیں ہے؟ نہرو اور دوسرے رہنما بہت مقبول تھے، اس کے باوجود بھی لوگ ان رہنماؤں کی خواہشات کے خلاف لسانی ریاستوں کی حمایت میں احتجاج کرنے سے نہیں کترائے!

© NCERT not to be republished

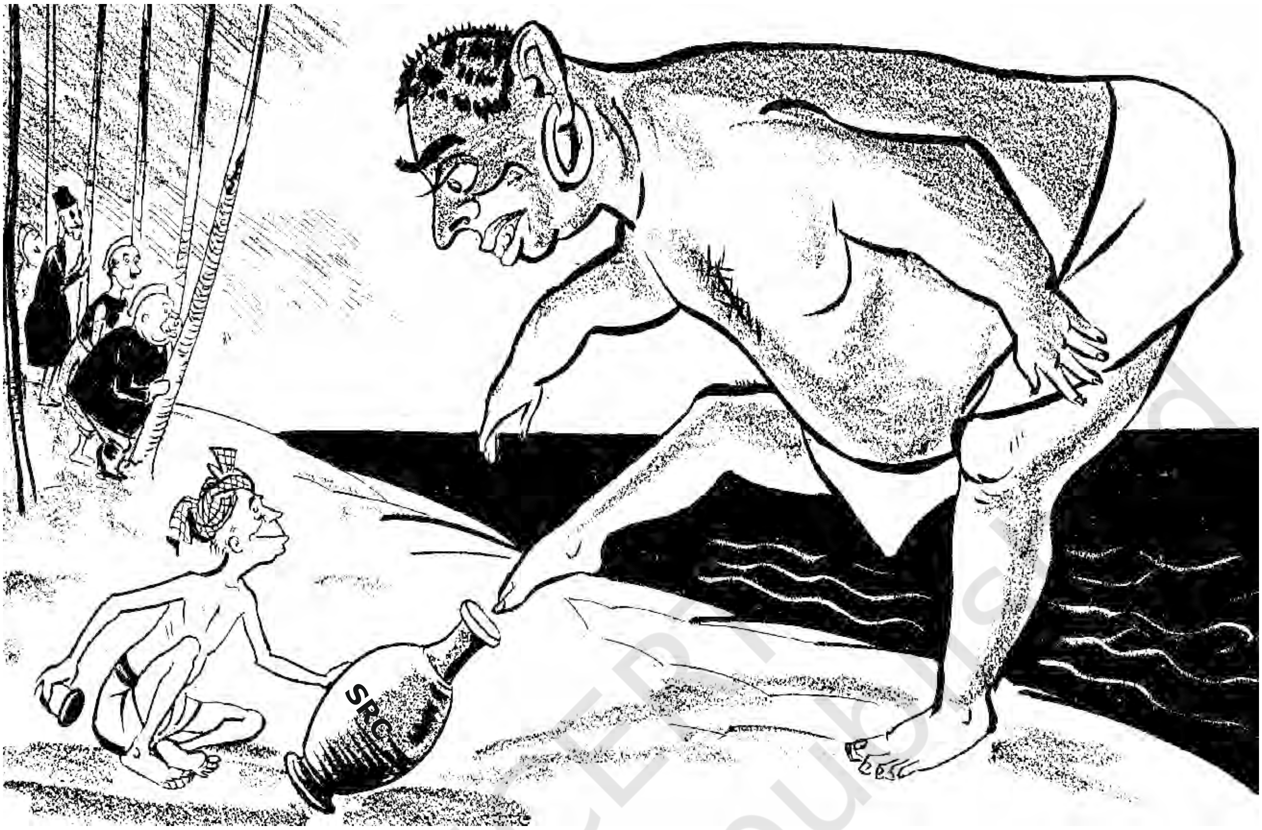

''جن کو بوتل میں دوبارہ بند کرنا'' (5 فروری 1956) سوال کیا کہ کیا ریاستی تنظیم نو کمیشن لسانی جن کو قابو میں رکھ سکتا ہے

شروع کے سالوں میں ایک اہم اندیشہ یہ تھا کہ علاحدہ ریاستوں کے مطالبوں کی وجہ سے ملک کے اتحاد کو خطرہ درپیش ہوسکتا ہے اور یہ کہ لسانی ریاستیں علاحدگی پسندی کے رجحانات کو ہوا دیں گی اور نوزائیدہ قوم پر دباؤ پڑے گا۔ یہ امید کی گئی کہ اگر تمام علاقوں کے لسانی اور علاقائی مطالبات منظور کر لیے جائیں تو انتشار اور علاحدگی کے خطرے کم ہوجائیں گے۔ اس کے علاوہ علاقائی مطالبات کی منظوری اور لسانی ریاستوں کا قیام زیادہ جمہوری نظر آتا تھا۔

لسانی بنیاد پر ریاستوں کے قیام کو اب پچاس برس گذر چکے ہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ لسانی ریاستوں اور ان کی تخلیق کے لیے چلائی گئی تحریکوں نے جمہوری سیاست اور قیادت کی نوعیت کو بنیادی طور سے بدل دیا۔ انگریزی بولنے والے چند منتخب لوگوں کے علاوہ سیاست اور طاقت کے راستے عوام کے لیے بھی صاف ہوگئے۔ لسانی تنظیم نو کی وجہ سے ریاستوں کی حد بندی کا ایک واحد معیار قائم ہوگیا۔ جیسا کہ کئی لوگوں کو اندیشہ تھا لسانی ریاستوں کے قیام سے ملک منتشر نہیں ہوا بلکہ اس کے برعکس اس نے قومی اتحاد کو مضبوط بنایا۔

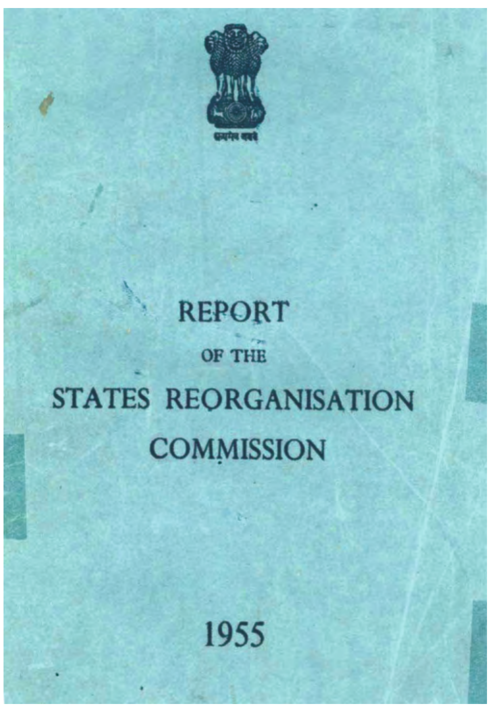

© NCERT not to be republished

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ لسانی ریاستوں نے اختلاف اور تنوع کے اصول کو نمایاں کیا۔ جب ہم یہ کہتے ہیں کہ ہندوستان نے جمہوریت کو اپنایا ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہندوستان نے محض ایک جمہوری دستور کو قبول کیا ہے، نہ ہی اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہندوستان نے الیکشن کا طریقۂ کار اختیار کرلیا ہے۔ ہندوستان کے انتخاب کی وسعت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ جمہوریت کو اپنانے کا مطلب ہے اختلاف رائے کے وجود کو ماننا جو کبھی کبھی بہت مخالف بھی ہوسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں جمہوریت کا مطلب نظریات اور طرزِ زندگی میں تنوع اور رنگا رنگی ہے۔

بعد میں آنے والے زمانے میں زیادہ تر سیاست اسی ڈھانچے کے اندر وقوع پذیر ہوئی۔

تیز رفتار نئی ریاستوں کی تخلیق

تاہم لسانی ریاستوں کے اصول کی منظوری کا یہ مطلب نہیں تھا کہ تمام ریاستیں فوراً ہی لسانی ریاستیں ہوگئیں۔ ایک تجربہ بمبئی کی دولسانی ریاست کا بھی تھا جو گجراتی اور مراٹھی بولنے والوں پر مشتمل تھی۔ ایک عوامی احتجاج کے بعد 1960 میں مہاراشٹرا اور گجرات کی ریاستیں قائم کی گئیں۔

پنجاب میں بھی دولسانی گروہ تھے۔ پنجابی بولنے والے اور ہندی بولنے والے۔ پنجابی بولنے والوں نے اپنے لیے ایک علاحدہ ریاست کا مطالبہ کیا۔ لیکن یہ مطالبہ 1956 میں دوسری ریاستوں کے ساتھ منظور نہیں ہوا۔ پنجاب کی ریاست دس سال بعد 1966 میں وجود میں آئی جب کہ آج کی ہریانہ اور ہماچل پردیش کو وسیع تر پنجاب سے جدا کیا گیا۔

1972 میں شمال مشرقی حصے میں ریاستوں کی ایک اور بڑی تخلیق ہوئی۔ 1972 میں میگھالیہ کو آسام سے الگ کیا گیا۔ منی پور اور تری پورہ بھی اسی زمانے میں الگ الگ ریاستیں بنیں۔ 1987 میں میزورم اور ارونا چل پردیش ریاستیں وجود میں آئیں۔ ناگالینڈ پہلے ہی 1963 میں ریاست بن چکا تھا۔ بہرحال، ریاستوں کی تخلیق میں زبان ہی واحد بنیادی عنصر نہیں تھا۔ آنے والے سالوں میں کئی ذیلی علاقوں نے علاحدہ ثقافت اور غیر متوازن ترقی کی شکایت کی بنیاد پر علاحدہ ریاست کا مطالبہ کیا۔ ایسی ہی تین ریاستوں چھتیس گڑھ، اترا کھنڈ اور جھارکھنڈ 2000 میں بنائی گئیں۔ 2 جون 2014 کو تلنگانہ بھی ایک نئی ریاست کی شکل میں شامل ہوگیا ہے۔ ریاستوں کی تنظیم نو کی کہانی ابھی ختم نہیں ہوتی۔ ملک میں ایسے کئی علاقے ہیں جہاں علاحدہ اور چھوٹی ریاست کے مطالبے ہو رہے ہیں۔ ان میں آندھرا پردیش میں تلنگانہ، مہاراشٹر میں ودربھ، اُتر پردیش میں ہرت پردیش اور مغربی بنگال میں اس کا شمالی حصہ شامل ہیں۔

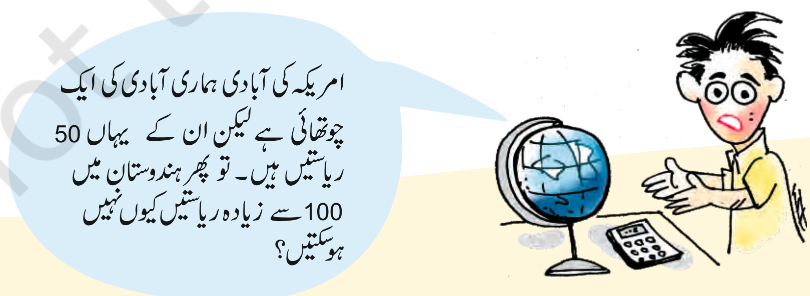

© NCERT not to be republished

مشقیں

.1 بٹوارے سے متعلق مندرجہ ذیل میں سے کون سا بیان غلط ہے؟

(a) ہندوستان کا بٹوارہ 'دوقومی نظریہ' کا نتیجہ تھا۔

(b) مذہبی بنیاد پر دو صوبے پنجاب اور بنگال کی تقسیم ہوئی تھی۔

(c) مغربی اور مشرقی پاکستان ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے۔

(d) بٹوارہ کی اسکیم میں انتقال آبادی کا پلان بھی شامل تھا۔

.2 اصولوں اور مثالوں کی جوڑی بنایئے:

(a) مذہبی بنیاد پر سرحدوں کی نقشہ بندی	(i) پاکستان اور بنگلہ دیش
(b) لسانی بنیاد پر حد بندی	(ii) ہندوستان اور پاکستان
(c) کسی ملک میں جغرافیائی علاقوں کے تحت سرحدوں کی نشان دہی	(iii) جھارکھنڈ اور چھتیس گڑھ
(d) کسی ملک میں انتظامی اور سیاسی بنیاد پر سرحدوں کی نشان دہی	(iv) ہماچل پردیش اور اترا کھنڈ

.3 ہندوستان کا ایک موجودہ نقشہ (ریاستوں کے خاکوں کے ساتھ) لیجیے اور مندرجہ ذیل نوابی ریاستوں کو دکھایئے:

(a) جونا گڑھ	(b) منی پور
(c) میسور	(d) گوالیار

.4 یہاں دو خیالات ظاہر کیے گئے ہیں۔

بسمے: "نوابی ریاستوں کا ھندوستان کے ساتھ الحاق دراصل ان کے عوام کی جانب جمہوریت کا بڑھتا ھوا قدم تھا۔"

اندر پریت "مجھے اس سے اتفاق نھیں۔ وھاں طاقت کا استعمال کیا گیا تھا جمھوریت تو اتفاق رائے سے آتی ھے"

نوابی ریاستوں کے الحاق اور ان علاقوں کے عوام کے ردّعمل کی روشنی میں آپ کا اپنا کیا خیال ہے؟

.5 اگست 1947 میں دیئے گئے دو بالکل مختلف انداز کے مندرجہ ذیل بیان پڑھیے۔

" آج آپ نے اپنے سروں پر کانٹوں کا تاج پہنا ھے۔ اقتدار کی کرسی بڑی غلیظ اور پریشان کن چیز ھے۔اس کرسی پر ھمیشه آنکھیں کھلی رکھنی ھوں گی۔ آپ کو زیادہ فکر مند اور صابر ھونا پڑے گا.......اب آپ کی آزمائشیں کبھی ختم نه ھوں گی"— **ایم۔کے۔گاندھی**

"........ھندوستان ایك آزادی کی زندگی میں آنکھیں کھولے گا........ ھم اب قدیم سے جدید کی جانب قدم بڑھا رھے ھیں۔ آج ھم بدقسمتی کے ایك عھد کا خاتمه کرتے ھیں۔ھندوستان اپنے آپ کو ایك بار پھر تلاش کرتا ھے۔ جس حصولیابی کا جشن ھم آج منارھے ھیں وہ صرف ایك قدم ھے۔ ایك موقعه کی آمد ھے........" **جواہرلعل نہرو**

© NCERT not to be republished

اوپر کے دو بیانوں سے قومی تعمیر کا جو ایجنڈا سامنے آتا ہے اس کو تحریر کیجیے اور بتایئے کہ آپ کے لیے کس میں زیادہ کشش ہے اور کیوں؟

6۔ نہرو نے ہندوستان کو سیکولر رکھنے کے لیے کیا اسباب یا وجوہات بیان کیے تھے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ یہ دلائل صرف اخلاقی اور جذباتی تھے؟ یا اس کے پیچھے کچھ دانش مندانہ وجوہات بھی تھیں؟

7۔ آزادی کے وقت ملک کے مغربی اور مشرقی علاقوں کے درمیان قومی تعمیر کے حوالے سے دو خاص فرق واضح کیجیے۔

8۔ ریاستوں کی تنظیمِ نو کمیشن کا کیا کام تھا اور اس کی خاص سفارشیں کیا تھیں؟

9۔ یہ کہا جاتا ہے کہ دراصل قوم بڑی حد تک ایک "خیالی برادری" ہوتی ہے جو مشترکہ عقائد، تاریخ، سیاسی حوصلوں اور امنگوں کی ڈور سے بندھی ہوتی ہے۔ ان خصوصیات کی نشان دہی کیجیے۔

10۔ مندرجہ ذیل پیراگراف کو پڑھیے اور نیچے دیئے گئے سوالوں کا جواب دیجیے۔

"قومی تعمیر کے سلسلے میں صرف سوویت یونین کے تجربہ کا ہندوستان سے موازنہ کیا جاسکتا ہے، وہاں بھی مختلف اقلیتوں، مذہبی اور لسانی فرقوں اور سماجی طبقات کے درمیان ایک اتحاد کے جذبے کی نشوونما کی گئی۔ جغرافیائی اور آبادیاتی طور پر ان کے پیمانے نسبتاً زیادہ وسیع تھے۔ لیکن وہاں ریاست کو جس خام مال سے سابقہ پڑا وہ بھی برابر کا غیر مبارک تھا یعنی ایک قوم جو عقائد کے اختیار سے منتشر اور قرض اور بیماری کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی" — رام چندر گوہا

(a) اس مصنف کی بیان کی گئی ان باتوں کا شمار کیجیے جو ہندوستان اور سوویت یونین میں مشترک تھیں اور ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک مثال ہندوستان سے دیجیے۔

(b) مصنف نے دونوں ملکوں میں پائی جانے والی غیر مشابہ چیزوں کا ذکر نہیں کیا۔ کیا آپ ایسی دو چیزیں بتا سکتے ہیں؟

(c) ماضی پر نظر ڈالتے ہوئے بتایئے کہ ان دونوں تجربوں میں سے کون بہتر رہا اور کیوں؟

آیئے اسے مل کر کریں

- کسی بھی ہندوستانی، پاکستانی یا بنگلہ دیشی مصنف کا کوئی ناول یا افسانہ پڑھیے جس کا موضوع بٹوارہ ہو۔ سرحد کے دونوں طرف کے تجربات میں کیا مشترکہ چیزیں پائی جاتی ہیں؟

- اس باب کے ''آیئے تحقیق کریں'' میں دی گئی تجویز پر مبنی تمام کہانیوں کو جمع کیجیے اور ایک وال پیپر تیار کیجیے جس میں مشترکہ تجربات اجاگر کیے گئے ہوں اور منفرد و بے مثال کہانیاں بیان کی گئی ہوں۔

© NCERT not to be republished